AL-AASAR Journal *Vol. 2, No. 1 (2025)*
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com/
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

فیض احمد فیض کی شاعری میں رومانی اور اشتراکی استعارہ سازی کی متنوع جہات

THE DIVERSE ASPECTS OF ROMANTIC AND SOCIALIST METAPHORIZATION IN FAIAZ AHMAD FAIZ'S POETRY

1. **Dr.Parveen Kallu(Corresponding Author)**, Associate Professor Urdu Department Government College University Faisalabad, drparveenkallu@gcuf.edu.pk
2. **Dr.Nazia Sahar**,Assistant Professor Department of Urdu Islamia College Peshawar
3. **Dr.Muhammad Rahman,** Assistant Professor Department of Urdu, Hazara University Mansehra

Abstract

Faiz Ahmed Faiz is one of those lucky poets of the twentieth century who got immense fame, popularity, greatness and love in his lifetime. He tasted the taste of the sword and the rope and enjoyed the colors of the poor. He was a student of Allama Iqbal's teacher, Maulvi Mir Hassan, and he also had the honor of studying with Yousaf Saleem Chishti. But he could not become Iqbal. Iqbal considered Islam a revolutionary religion and Islam through Islam. While Faiz dreamed of revolution through communism. This difference comes out very clearly in the poetry of both of them. When Faiz regained consciousness and started writing poetry, a wave of romanticism had come at that time. Poets like Josh and Ehsan Danish were busy building imaginary paradises under romanticism. The literary tradition was burdened by Jigar, Asghar, Hasrat and Dagh. Akhtar-ul-Iman, N.M. Rashid, and Meeraji were playing the murli of their individuality in the guise of poetry. When Faiz began his academic life, he studied Marxism in Amritsar under the influence of Sahibzada Mahmud-ul-Zafar and his wife Rashida Jahan. Later, when the Progressive Movement was launched, Faiz was among its founding members. Despite enduring thousands of hardships and going through the stages of imprisonment and torture, Faiz neither flexed his ideas nor turned away. At a time when the doors of his homes were closed and the doors of prisons were opened on the Progressives, Faiz remained associated with this movement, which shows that Faiz believed in loyalty subject to stability. Faiz was eager to bring about such a revolution in society that would completely change the existing exploitative system. He believed in a classless system.

Ghazal suffered greatly under the influence of the Progressive Movement, but Faiz also adopted the form of Ghazal to express progressive ideas. And instead of writing political resistance poems, he wrote Ghazals. Because he believed that political and resistance literature had a very short lifespan.

Key Words: Faiz Ahmed Faiz, Romantic and Socialist Metaphorization, Yousaf Saleem Chishti, Jigar,
Asghar, Hasrat and Dagh. Akhtar-ul-Iman, N.M. Rashid, Meeraji, Urdu Ghazal.

فیض اردو شاعری میں غالب اور اقبال کے بعد سب سے اہم نام ہے۔فنی قامت اور فکری وسعتوں کے طفیل ان کی شہرت و مقبولیت آج تک بدستور قائم ہے اور آئندہ بھی اس کے نہایت ہی روشن امکانات نظر آتے ہیں۔نازک بیانی، بلند خیالی، دقت نظر، دور اندیشی فنی تقاضوں کا ادراک اور جذبات و افکار کا تواتر فیض کے ایسے خصائص ہیں جو انہیں ادبی حوالوں سے جامع الصفات بناتے ہیں۔فیض کی شاعری کا آغاز رومانوی لب ولہجہ سے ہوتا ہے۔جہاں وہ تخیل کی رنگینیوں سے اپنی طبعیت کو بہلانے کی کوشش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔وہ رومان کی حسین وادیوں میں خوابوں کے محل تیار کرتا ہے اور دیار عشق میں زندگی کی چاشنی اور حلاوتوں سے حظ اٹھاتا ہے۔خیالوں میں بسے نہایت ہی حسین محبوب کے تصور میں اپنا وجود کھو دیتا ہے اور حسن کی پری کے نازک جلوؤں کو متاع زندگی سمجھتا ہے۔فیض پر حسن و عشق کا جذبہ اتنا غالب ہے کہ وہ مریض عشق کی طرح زندگی کے ہر دکھ درد کی دوا محبوب کی عنایتوں میں پاتا ہے۔ان کے پہلے شعری مجموعے "نقش فریادی" کی ابتداء اس طرح کے خیالات سے ہوتی ہے۔کہتے ہیں۔

رات یوں دل میں تیری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com/

Vol. 2, No. 1 (2025)

Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے باد نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے

(۱)

فیض کے باطن میں پنپنے والی رومان کی شدت کو ان اشعار سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔محبوب کی یاد اس کے لئے کیا نہیں ہے۔جن تشبیہوں کا سہارا لے کر فیض نے شدت جذبات کا اظہار کیا ہے وہ معاملات عشق کی نزاکتوں سے سرشار ہیں۔یہاں رات اگر ہجر کا استعارہ بنے تو بات شدید سے شدید تر ہو جائے گی۔وہ رات جس میں محبوب سے وصال کی کوئی صورت نہ ہو اور عاشق درد کی انتہاؤں سے کفِ افسوس مل رہا ہو ۔ایسے میں دل کے نہاں خانوں سے ابھرنے والی یاد میں احساس جدائی کو مدہم کرتی ہیں۔

ہجر کی کیفیت ویرانے کے تصور سے Intensify ہوتی ہے اور اس میں چپ کے سے بہار آنے کی حالت سکون و مسرت اور شادمانیوں کا پیغام ہے۔اس کیفیت کو خشک صحرا کے ذریعے بیان کیا گیا جس میں تر و تازگی کا کوئی امکان نہیں ہوتا لیکن باد نسیم کا بتدریج گزر اس میں بھی زندگی کے احساس کو جگاتا ہے۔گویا محبوب کے بغیر فیض زندگی کے کسی بھی امکان کو نا ممکن سمجھتا ہے اور ان کا وجود ہی ان کے لئے سب ہے۔بیمار کو بے وجہ قرار آنا محبوب کی نظر التفات نہیں تو اور کیا ہے؟ کیونکہ درد یا تو دوا سے زائل ہوگا یا پھر کسی مسیحا کی مسیحائی سے، اور فیض کا مسیحا سوائے معشوق کے کوئی اور نہیں۔فیض زندگی کی تمام تر رونق کو محبوب کی ذات سے منسلک کرتا ہے۔اس کے لئے محبوب زندگی کا محرک ہے اور ان سے دوری سم قاتل۔وہ لے دے کے زندگی کے جملہ معاملات کو محبوب کی ذات میں ضم کر دیتا ہے۔ایک غزل میں کہتے ہیں۔

دونوں جہاں تیری محبت میں ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کے
ویراں ہے میکدہ، خم و ساگر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

(۲)

رقیب اردو کی پوری شعری روایت میں ایک بدنام کردار ہے۔تقریباً ہر شاعر نے اسے عاشقوں کی دشمنی، تناؤ اور فساد جیسے منفی مضامین کے ذیل میں باندھا ہے۔فیض کا انتہائے کمال یہ ہے کہ انہوں نے اس کی روایتی ساخت بدل دی۔وہ رقیب کو پسندیدگی اور رغبت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔وجہ یہی ہے کہ ان کے رقیب کی ان کے محبوب سے نسبت ہے۔یہ عشق کا وہ جنون ہے جو معشوق سے منسوب جگھوں، گلی کو چوں ، اشخاص اور چیزوں وغیرہ میں ان کے جلوؤں کی کرنیں دکھاتا ہے۔نظم" رقیب سے'' میں کہتے ہیں۔

آ کہ وابستہ ہیں اس حسن کی یادیں تجھ سے
جس نے اس دل کو پری خانہ بنا رکھا تھا
جس کی الفت میں بھلا رکھی تھی دنیا ہم نے
دہر کو دہر کا افسانہ بنا رکھا تھا

(۳)

آگے حسن کے تئیں اپنی جاں سوزی کا ذکر کرتے ہوئے Nostalgia کی شدید کیفیت پیدا کی ہے۔رقیب سے کہتے ہیں۔

تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی، وہ رخسار ، وہ ہونٹ
زندگی جن کے تصور میں لٹا دی ہم نے
تجھ یہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے

(۴)

فیض کی شاعری میں رومان کا جذبہ ہمیشہ حاوی نہ رہا۔ان کے زمانے میں اردو میں ترقی پسند تحریک کا ڈھنکا بج چکا تھا۔اس لئے فیض نے بھی وقت کے تقاضوں کے پیش نظر رومان سے انقلاب کی طر ف رخ کیا۔نظم رقیب سے ہی میں اس کی عمدہ مثال ہے وہ رقیب سے اپنے محبوب کے حسن کا ذکر کرتے کرتے جگ بیتی پر آجاتا ہے۔دنیا کی گونا گوں حقیقتیں انہیں محبوب کی یاد سے یکسر غافل کر دیتی ہیں ۔

عاجزی سیکھی، غریبوں کی حمایت سیکھی
یاس و حرمان کے، دکھ درد کے معنی سیکھے
زیر دستوں کے مصائب کو سمجھنا سیکھا
سرد آہوں کے، رخ زرد کے معنی سیکھے

(۵)

فیض کے تصور میں پلنے والی حسین پری کے دلفریب اور روح افزا نظاروں پر مظلوم محکوم اور مجبور انسان کی حالاتِ زار کا کرب چھا جاتا ہے۔وہ مزدوروں اور کسانوں پر ہونے والے استحصال کو ہجر کے درد سے زیادہ مرغوب محسوس کرتا ہے اور ان کی رومانوی طبع جگ بیتی کے احساس میں محو ہو جاتی ہے۔وہ حسن و عشق کے معاملوں سے گریزاں نظر آتا ہے اور دنیا کی کارگزاریوں سے تاثرات لینے کو کوشش کرتا ہے۔کہتے ہیں۔

اور بھی دکھ ہے زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہے وصل کی راحت کے سوا

(۶)

اس شعر پر ڈاکٹر عبدالمغنی یوں رائے زنی کرتے ہیں:

"یہ مصرعہ فیض اور ان کے جیسے ترقی پسند شاعروں کی رومانی سیاست یا سیاسی رومانیت کی صدائے عام بن گیا اور ان سے آشکار ہونے والے تخیل کا چرچا زور و شور سے ہوتا رہا ۔"(۷)

انسانیت کے تئیں ہمدردی، اخوت اور محبت فیض کی رگ رگ میں پیوست ہے۔وہ حسینہ خیال کی اداؤں پر فریفتہ تو ہے، لیکن دنیا کے مظلوموں کی حالات زار سے آنکھیں نہیں چرا پاتا۔اسے حسن کی نزاکتوں اور محبوب کے جور و عتاب سے زیادہ اردگرد کے حالات ستانے لگتے ہیں۔اس کیفیت کا اس سے شدیدا ظہار کیا ہوسکتا ہے کہ

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روز گار کے

(۸)

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com/

Vol. 2, No. 1 (2025)

Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

فیض طبعتاً حسن پرست اور رومان پسند ہیں لیکن وہ شعوری طور پر دنیا کی حقیقتوں کا ترجمان بننا چاہتا ہے۔اس کشمکش کی وجہ سے ان کے ہاں رومان اور انقلاب کا امتزاج پایا جاتا ہے۔اس امتزاج سے فیض کا شعری اسلوب وجود پاتا ہے جس پر کسی ایک خاص سمت کا حکم صادر نہیں کیا جاسکتا۔"مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ "میں تذبذب اور اضطرار کی یہی کیفیت ابھری ہوئی ہے۔۔

مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ
میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غم دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے؟

(۹)

ان اشعار میں حسن کی جادوئی تاثیر کا اظہار ہے۔محبوب کی ذات سے زندگی کی رونق کو مشروط کیا گیا ہے۔غم جاناں کے مقابلے غم دوراں نظر انداز ہوا ہے۔حسن کی جلوہ گری کو بہاروں کی ابدیت پر محمول کر دیا گیا ہے اور محبوب کی آنکھوں کو دنیا کی متاع کل کہا گیا۔لیکن آگے جذبات کی دھار بدل جاتی ہے اور حسن کے جلوؤں پر کوئی اور منظر حاوی ہوتا ہے۔

ان گنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخواب میں بنوائے ہوئے
جا بجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے،خون میں نہلائے ہوئے
جسم نکلے ہوئے امراض کے تندوروں سے
پیپ بہتی ہوئی گلتے ہوئے ناسوروں سے
لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجئے
اب بھی دلکش ہے تیرا حسن مگر کیا کیجئے!

(۱۰)

ان اشعار میں غریبوں ، مظلوموں اور شکست خوردوں کے مصائب کا شاخسانہ پیش ہوا ہے جو سماج کے اعلیٰ طبقوں کی استحصالی روش کا نتیجہ ہے۔ لیکن آخری شعر میں حسن کی دبی ہوئی کسک پھر جاگ جاتی ہے۔اس طرح فیض کا شعری آہنگ ان دو انتہاؤں کے بیچ معلق ہو جاتا ہے جسے ہوا کا جھونکا کبھی رومان کی طرف دھکیلتا ہے تو کبھی انقلاب کی طرف۔نظم فیض کے باطن میں پنپنے والی حسن اور انقلاب کی کشمکش کا دلفریب اظہار ہے جس میں وہ اپنی ذات سے ابھرنے والے جذبات کی دھار کو ایک خاص سمت دینے کی کوشش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔یہ کشمکش غالب کے مصرعہ "کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے" کی صورت اختیار کرتی ہے۔" زندان نامہ" کی ایک غزل میں اس کشمکش کا اظہار یوں ہوا ہے۔

ادھر تقاضے ہیں مصلحت کے، اُدھر تقاضائے درد دل ہے
زباں سنبھالیں کہ دل سنبھالیں، اسیر ذکر وطن سے پہلے

(۱۱)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com/
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ن م راشد نے "نقش فریادی" کے مقدمہ میں یہی باور کرانے کی کوشش کی ہے۔انہوں نے بالکل بجا کہا ہے:

"نقش فریادی" ایک ایسے شاعر کی غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ہے جو رومان اور حقیقت کے سنگم پر کھڑا ہے، اس کی سرشت تو اسے عشق کے ساتھ ہم آہنگ ہونے پر اکساتی ہے، لیکن وہ حقیقت کے روزن میں زندگی کی برہنگی اور تلخی پر ایک نظر ڈال لینے کی ترغیب کو روک نہیں سکتا۔"(۱۲)

چونکہ فیض رومان اور انقلاب کے حسین امتزاج کا غماز ہے اس لئے انہوں نے عوام کی امنگوں کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ زبان کے رکھ رکھاؤ اور فنی نزاکتوں کا دامن نہیں چھوڑا۔ان میں ادب کی جمالیاتی قدروں کا ادراک بدرجہ اتم موجود ہے۔وہ حقیقت پسندی اور انقلابی آہنگ کے برتاؤ کی کوشش میں ادبیت سے دور نہیں بھاگتے۔انہیں فن کی جمالیاتی ساخت کا شدید احساس ہے اس لئے وہ زبان کے ممکنہ وسائل سے مدد لیتے ہیں۔تشبیہیں، استعارے اور علامتوں وغیرہ کا استعمال ان کی شاعری کا جو ہر ہے۔وہ خود زبان کے فنی تقاضوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"زبان کا شاعرانہ استعمال یہ ہے کہ وہ عوامی زبان سے یکسر مختلف نہ ہولیکن قدرے بلند ضرور ہو۔اس کی پابندی کرتے ہوئے بہترین شاعری صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ لفظ استعارہ اور استعارہ علامت بن جائے۔"(۱۳)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ فیض کا فنی شعور کس قدر بالیدہ ہے۔یہی بالیدگی فیض کو ایک عظیم شاعر بناتی ہے۔ترقی پسندیت کے باوجود بھی وہ ادب کی جمالیاتی اساس کا قائل ہے۔وہ اس کی وکالت بھی کرتے ہیں اور عملی طور پر اس کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔یہ ایک اہم وصف ہے جو فیض کی عظمت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔۱۹۸۴ء میں لندن میں منعقدہ فیض سیمینار میں انہوں نے کہا تھا:

"ہنگامی موضوعات کی اپنی اہمیت ہوتی ہے لیکن ادب میں جب تک دائمی کیف نہ ہو وہ زیادہ دور تک نہیں جا سکتا۔نعرے بازی کا ادب یا کھوکھلی جذباتیت کا ادب کبھی ادب نہیں ہو سکتا۔۔۔۔میں نے برہنہ گفتاری سے ہمیشہ جان بوجھ کر اجتناب کیا۔۔۔۔اگر ترقی پسندی ادبی تقاضوں کا احترام نہیں کرتی تو اس سے ترقی پسندی کو نقصان پہنچتا ہے۔"(۱۴)

یہاں تک فیض کی شاعری کا مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا تا کہ اندازہ ہو کہ ان کے فکری میلانات کیا ہیں اور بحث کو آگے بڑھانے میں آسانی ہو۔ فیض کی کچھ نظموں اور غزلوں کا رومانیت اور اشتراکیت کے حوالے سے جائزہ لیتے ہوئے ان میں برتے گئے استعاروں کی معنوی اور موضوعاتی جہات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔فیض کی ایک بہترین نظم "تنہائی" سے شروع کرتے ہیں۔نظم کا متن یوں ہے۔

پھر کوئی آیا دل زار! نہیں کوئی نہیں
راہرو ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات، بکھر نے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک کے ہر اک راہگذار
اجنبی خاک نے دھندلا دیے قدموں کے سراغ
گل کرو شمعیں بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کرلو

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com/
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا!

(۱۵)

فیض کی بہت بڑی خوبی بر ہنہ گفتاری سے اجتناب ہے۔یہ نظم اس کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ابتداء سے آخر تک یہ معلوم ہی نہیں ہو پاتا کہ نظم میں برتے گئے شعری کردار کو کس کی وجہ سے تنہائی کا اتنا شدید احساس ہے اور کس کے آنے سے اس کے امیدوں کی ڈور بندھی ہے؟ اس لئے نظم کے توضیحاتی امکانات بہت وسیع ہیں۔اگر اسے رومانیت کے ذیل میں پر کھا جائے تو وضاحت کچھ یوں ہوسکتی ہے کہ متکلم اپنے محبوب سے جدائی کے پل کاٹ رہا ہے اور ان کی دوری اسے تنہائی کے شدید احساس میں گرفتار کر چکی ہے۔وہ محبوب سے وصال کے انتظار میں گڑیاں گن رہا ہے کہ اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔

لفظ ''پھر'' سے شروع ہوتی ہے۔یہ Backward Pointing کا احساس دلاتا ہے۔یعنی متکلم کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو روداد پارینہ کا حصہ رہ چکا ہے۔پھر کوئی آیا'' سے ظاہر ہو رہا ہے کہ متکلم کو کسی کی آمد کا تاثر گھیر لیتا ہے۔دل زار ہجر کے کرب میں پلنے والے دکھ درد کو ظاہر کرتا ہے۔جس کی وجہ سے دل مشکلات و مصائب کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔یہ شکست خوردگی اور پژمردگی کا استعارہ ہے جس سے راہ عشق کی جفائیں اور سخت کوشیاں واضح ہوتی ہیں۔یہاں احساس جدائی سے جمع ہیں جنہیں صرف محبوب کا وصال مٹا سکتا ہے۔

کسی کے آنے کی شاد کرنا چاہتا ہے۔اس انتظار میں ہے اور بیسیوں اندیشے ایک عاشق کا قرار ختم کرتے ہیں۔وہ طرح طرح کے خیالات سے کبھی خائف ہوتا ہے تو کبھی خود کو تسلی دیتا ہے۔اس عالم میں کسی کے قدموں کی اہٹ کو سننا امید کی کرن کو جگاتا ہے کہ شاید تنہائی کے داغ کو رفو کرنے محبوب آرہا ہے۔لیکن دل زار کو خبر دیتے ہی اسے انکشاف ہوتا ہے کہ آہٹ میرے محبوب کی نہیں کسی راہرو (Passer by) کی ہے جو اپنا راستہ لے گا۔یہاں سے نظم میں یاسیت (Hopelessness) کا سلسلہ شروع ہوتا جو اختتام تک چھایا رہتا ہے۔متکلم کی امیدیں رات سے وابستہ ہیں، رات اس کے لئے وصال کا ذریعہ ہے، اس لئے جوں جوں رات کے ڈھلنے کے اثار نمودار ہوتے ہیں، اس کی امیدوں کی شمع مدہم ہوتی چلی جارہی ہے۔ڈھل چکی رات اور بکھر نے لگا تاروں کا غبار محاکاتی استعارہ (Metaphorical imagery) کی معراج ہے۔

رات کا ڈھلنا وصال کے امکانات کو کم کرنے کا عندیہ دیتا ہے اور تاروں کا غبار نکھر نا صبح کی آمد کا شاعرانہ اعلان ہے۔تاروں کا غبار بکھر نا دلسوزی کا استعارہ ہے۔یہاں شاعر کی فنکارانہ صلاحیتیں آسمان کو چھوتی ہیں۔تاروں کی چمک، ان کا ٹمٹمانا ، ان کی روشنی اور زینت وغیرہ اردو شاعری کا مستقل مضمون رہا ہے لیکن ان کا غبار ایک نرالا تصور ہے۔غبار کسی منظر کے پھیکے پڑنے یا مدہم ہونے کا مفہوم دیتا ہے۔اس لئے '' تاروں کا غبار تاروں کا دن کی اوٹ میں غائب ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے جس سے متکلم کی امیدیں بھی ختم ہو رہی ہیں۔دن کی آمد اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی کیونکہ جس طرح دن میں تاروں کا نور ماند پڑتا ہے، اسی طرح ان کی شمع گل ہوتی جاتی ہے۔بظاہر یہ استعارے خارجی تصور سے جڑے ہوئے ہیں لیکن شاعر نے انہیں ذات کی کیفیات کی عکاس بنا دیا ہے۔

چوتھے مصرعے میں استعارہ در استعارہ ہے۔ایوانوں میں خوابیدہ چراغوں کا لڑکھڑانا شاعر کے انتظار کی جگہ اور ارد گرد کے ماحول کا پتہ دیتے ہیں۔وہ کسی ایسی جگہ پر محبوب کا منتظر ہے جہاں آس پاس بلند عمارتوں کے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ان عمارتوں میں تاریکی کا سینہ شق کرنے والے شمع بجھا چاہتے ہیں۔لڑکھڑائے ہوئے چراغوں کو خوابیدہ کہنا معنی کی تاثیر کو دوبالا کر دیتا ہے۔کیونکہ جب چراغ کی روشنی ختم ہونے کو آتی ہے تو اس کی ہستی سے پیدا ہونے والی آگ کچھ دیر کے لئے لڑکھڑا جاتی ہے لیکن اس تصور پر خوابیدہ کا اضافہ ان کے پگھلنے کی طوالت کو ظاہر کرتا ہے جسے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اب یہ چراغ زیادہ دیر تک نہیں سکتے۔

یہ تصور رات کے آخری پہر کا استعارتی اشاریہ ہے۔راستہ تک تک کے راہ گزر کا سونا، ان راہوں کا استعارہ ہے جو محبوب کا انتظار کرتے کرتے سنسان ہونے لگی۔یعنی جن را ہوں سے محبوب کے آنے کا اندیشہ تھا ان پر اجنبی راہروں کا گز رہی بند ہوا۔یہاں استعاروں کے شعری

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com/
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

برتاؤ پر فیض کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔را بگزرکا راستہ تکنا اور پھر سونا دور دراز معنوی علاقے ہیں۔فیض نے ان کا اجتماع ایسے مربوط انداز میں کیا ہے کہ ان کی جادو بیانی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔راستہ تکنا طوالت انتظار کا استعارہ ہے۔مگر اس پر " را بگزر کا سونا استعمال کرنا انتظار کی تمام تر حد بندیوں کو عبور کر کے نا امیدی (Hopelessness) اور بددلی (Disheartening) کے مرحلے کا استعارہ بن جاتا ہے جہاں شعری کردار کو انتظار کے عبث ثابت ہونے کا شدید احساس ہوتا ہے۔یہ انتظار کی گھڑیوں کا وہ پڑاؤ ہے جہاں سے تسلی کا جذبہ ابھرتا ہے۔کیونکہ انتظار جتنا طویل ہو جاتا ہے، امیدوں کی شمع اتنی ہی پگھل جاتی ہے اور آخر کار بجھ جاتی ہے۔اجنبی خاک رقیب، محبت کے دشمنوں یا عوام کا استعارہ ہوسکتا ہے۔

اس سے وہ خاک بھی مراد لی جاسکتی ہے جو کہیں اور سے اڑ کر راستوں میں پڑے نقوش کو بھرتی ہے۔یعنی متکلم کو اس خاک کے اڑنے سے بھی تشویش ہے کہ کہیں محبوب میرے قدموں کے نقوش نہ بھانپ پائے اور مجھ سے مل نہ سکے۔اسی تشویش کے نتیجے میں خاک کو اجنبی کہہ کر اپنی برہمی ظاہر کرتا ہے۔یہ اجنبی خاک جس نے پاؤں کے نقوش دھندلا دئے ، عاشق و معشوق کے درمیان وصل کے امکانات ختم ہونے اور اس میں رکاوٹیں ڈالنے والی قوتوں کا استعاراتی اظہار ہے۔جب وصل کے تمام اثار ختم ہوتے ہیں تو متکلم (Emotional breakdown) کا شکار ہو جاتا ہے۔یہاں ایک طرح سے ارسطو (Aristotle) کے نظریہ المیہ (Tragedy) کے ذیل میں آنے والے Trauma اور Pathos کا احساس ہوتا ہے۔بعض کردار زندگی میں ہار سے بصیرت اور عبرت حاصل کرتے ہیں اور بعض کے لئے یہ تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔اس حوالے سے اس نظم کے کردار پر یہ صورتحال منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔

آخری تین مصروعے Personal loss کے احساس کو اتنا شدید کرتے ہیں کہ کردار پر خود کلامی کا اثر واضح ہے۔ہمیں معلوم ہے کہ متکلم تنہا ہے لیکن وہ کسی سے شمعیں گل کرنے اور مے و مینا و ایاغ بڑھانے کے لئے کہتا ہے۔یہ چیزیں کسی خاص مہمان کی خوش آمد کی طرف اشارہ کرتی ہے، اور محبوب سے خاص کون ہو سکتا ہے۔لیکن محبوب کے وصل سے محرومی کا صدمہ انہیں بادلِ ناخواستہ چراغاں کی بساط لپیٹنے پر مجبور کرتا ہے اور وہ اپنے دل کو حسرتوں سے دھو کر وصل کی خواہش سے پاک کرنا چاہتا ہے۔بے خواب کو اڑ اس عمارت کے دروازے ہو سکتے ہیں جہاں انتظار کرتے کرتے متکلم کی نیندیں اڑ چکی۔انہیں مقفل کرنا گھر میں بچے مادی اسباب کی فکر کا خیال دلاتا ہے جو محبوب نے بھلا کر رکھ دئے تھے۔یا اسے تالا لگا کر ہمیشہ کے لئے بند کرنے کا اشارہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی رونق محبوب کے آنے جانے سے وابستہ تھی۔

بے خواب کو اڑ متکلم کا دل بھی ہوسکتا ہے جس میں وصل کی خواہشات کے راستے بند کر دئے گئے۔بے خواب کواڑ کے ساتھ مقفل کی ترکیب معنی کے استعاراتی کینوس کو بہت وسیع کرتا ہے۔اگر دل میں وصل کی خواہشیں ختم ہوئی تو مقفل کس لئے کرنا ہے؟ دراصل مقفل کے اضافے سے یاسیت کی حالت اتنی شدید محسوس ہوتی ہے کہ متکلم دل کو مستقل طور پر مقفل کر کے خواہشات کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کرنا چاہتا ہے اور کسی امید پر اسے بار بار تکلیف دینا متکلم کو گوارا نہیں۔قفل سے ایک اور مفہوم یہ بھی ابھرتا ہے کہ اب دل بیکار پڑا ہوا ہے اور کوئی آنے جانے والا نہیں اس لئے کسی اجنبی کے روگ سے بچانے کے لئے اس پر مہر ثبت کرنا ہی بہتر ہے۔آخری مصرعہ رہی سہی کسر پوری کر دیتا کوئی نہیں کے تکرار سے یاسیت کی انتہا اور محبوب کے بغیر ہر ایک چیز کی بے وقعتی ظاہر ہوتی ہے۔ہے۔نظم کا کردار قنوطی (Pessimistic)شخصیت کا حامل ہے جو ایک امید کے ختم ہونے کے بعد منفی جذبات و احساسات کے بھنور میں پھنس کر ہار Give up تسلیم کرتا ہے۔اردو کے بلند پایہ جمالیاتی (up نقاد شکیل الرحمن اس نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نظم "تنہائی "میں المیہ سیال بن کر ہر شعر میں جلوہ گر ہوا ہے۔اور نظم کے ختم ہوتے ہی ہر شعر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پوری نظم درد کی صورت مجسم ہو گئی ہے، فضا کی معنوی کیفیت

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com/
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

گرفت میں لے لیتی ہے، پورے عہد کا ذہنی رویہ، لہجہ کی غم نا کی یا پیتھوس (Pathaos) میں جذب ہو گیا ہے۔یہ داخلی ویرانی فرد کی بھی ہے اور معاشرے کی بھی ۔"(۱۶)

اب تک کی وضاحت سے یہ رائے قائم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ نظم "تنہائی رومانوی ادب کا ایک شاہکار ہے۔لیکن مضمون کا دبا دیا اور ایمائی اظہار نظم کی معنوی ساخت کو ہمہ جہت (Multi) (dimensional بنا دیتا ہے۔نظم میں برتے گئے استعاروں کی تاویلیں بدل کر اسے اشتراکیت کا تجربہ ثابت کیا جاسکتا ہے۔اگر یہ مفروضہ (Hypothesis) قائم کیا جائے کہ نظم کا متکلم ایک اشترا کی (Communist) ہے تو مفہوم میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ایک انقلابی جو سماجی بحران (Crisis) (Social دیکھ رہا ہو، سیاسی ہنگامہ آرائیوں کا مشاہدہ کر رہا ہوں ظلم و استحصال کی گرم بازاری میں انسان کی بے بسی اسے چبھ رہی ہو ، وہ انقلاب کی راہ سے مساوات کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے اور اس کی جدو جہد کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کرتا ہے۔وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس جدو جہد میں اس کے رفیق ہو جائیں اور وہ Comrades کی راہیں تکتا ہے۔وہ انقلابیوں کا انتظار کر رہا ہے جن کے آنے کا اسے یقین ہے۔اسی اثنا میں اسے کسی کے قدموں کی آہٹ اپنی طرف مائل کر دیتی ہے کہ شائد انقلابیوں کی آمد شروع ہوئی۔

وہ اپنے درد بھرے دل کو کسی کے آنے کی خبر سے مسرت دینا چاہتا ہے لیکن جلد ہی اسے احساس ہوتا ہے کہ آنے والا کوئی انقلابی نہیں بلکہ ایک عام راہ گیر ہے جو اپنا راستہ ناپ لے گا۔اس صورتحال سے وہ مایوسی کے عالم میں چلا جاتا ہے کہ انقلابی اس کے مشن کا ساتھ دینے نہیں آرہے ہیں۔اس طرح اشترا کی سیاق کے حوالے سے نظم میں برتے گئے استعاروں کی معنوی سطح یکسر تبدیل ہو گی۔

رات کا ڈھلنا ظالموں، سامراجیوں، جابروں اور استحصالی قوتوں کے اقدامات سے پھیلنے والے گھٹا ٹوپ اندھیاروں کا استعارہ ہے جو سماج میں ظلمتوں کو بڑھا دیتے ہیں۔رات کا تصوران ظلمتوں کے شدید تر ہونے کا معنی ظاہر کرتا ہے۔" تاروں کا غبار بکھرن' ان کے دھندلے پن پر دلالت کرتا ہے جو تاریکی کا سینہ شق نہیں کر پاتے۔انقلابی تصور میں یہ انقلابیوں کے جمود، نااہلی ، بے حسی اور کمزوری کا استعاراتی اظہار ہے۔ کیونکہ تاریکی جتنی گہری ہوگی ، تاروں کی چمک کا انکشاف اتنا ہی زیادہ ہوگا۔لیکن اس تاریکی میں تاروں کا غبار آلودہ ہونا منتظر پر جمی ہوئی دھند کا واضح ثبوت فراہم کرتا ہے۔اس طرح سے استبدادی قوتوں اور انقلابیوں کے مقابلے کی نوعیت ظاہر ہوتی ہے۔بلند و بالا ایوانوں میں خوابیدہ چراغوں کا لڑکھڑانا استبدادی آندھیوں کا زور ظاہر کرتا ہے۔

جو چراغ یعنی انقلابی محلوں سے وجود پانے والی تاریکی کے اثر کو ختم کر سکتے ہیں ان پر لڑ کھڑانے اور خوابیدگی کی کیفیت طاری ہے۔یعنی بعض انقلابی ظالموں سے ہاری ہوئی جنگ کے اختتام کا اشارہ کر رہے ہیں اور بعض خوابیدہ یعنی تاریکی کے بہاؤ میں بہنے والے یا تاریکی کے ادراک سے بالکل ہی بے خبر اپنی غفلت کی نیند سورہے ہیں۔راستہ تک تک کے راہگزر کا سونا انقلابیوں کی غیر موجودگی کے شدید احساس سے لبریز استعاراتی بیان ہے جن کا انتظار طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے۔راستوں کا سونا جہاں طوالت انتظار کی کیفیت کو ابھارتا ہے وہی اس سے نا امیدی اور تھکان کی حالت کا احساس بھی ہوتا ہے جس کی انتہا سونے پر محمول کر دی گئی ہے۔گو یا صحیح معنوں میں انقلابیوں کی آمد کے امکانات ختم ہوا چاہتے ہیں جو باطل قوتوں کو ٹکر دے سکے۔اجنبی خاک سامراجی قو تیں ہو سکتی ہیں جو دوسروں کی سرزمین پر جابرانہ اور غاصبانہ قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔

اس اجنبی خاک کا قدموں کے سراغ دھندلا نا مقبوضہ خطے کے ملتی ، مذہبی ، تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی تشخص کو مسخ کرنے کا استعارہ ہے جو سامراجیوں کی جارحیت کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔اس کی ایک توضیح یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آمرانہ قوتیں انقلابیوں کی راہوں میں رکاوٹیں ڈالتے رہتے ہیں یا ان راہوں پر چلنے والوں کو اذیتیں دے کر روکنا چاہتے ہیں۔چونکہ انقلابیوں میں مزاحمت کا اتنادم نہیں ہے کہ وہ ان رکاوٹوں کا مقابلہ کر سکے اسلئے ان کا ایسی راہوں سے آنے کی توقع باقی نہیں۔دھندلے قدموں کے سراغ انقلاب کا لائحہ عمل بھی ہو سکتا ہے جو پھیکا پڑ گیا

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com/
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ہو۔یہاں نظم کا کردار مختلف آزمائشوں کے جان سوز مراحل طے کر کے بددلی کا شکار ہوتا ہے۔کیونکہ اسے انقلاب کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔اسلئے متکلم کے دل میں انقلاب کی امنگیں دب جاتی ہیں اور وہ مایوس ہو کر انقلابیوں کی انقلاب کے تئیں تڑپ نہ ہونے کی پاداش میں انقلاب کی کوششوں اور اس کی خواہش کو التوا میں رکھتا ہے۔بے خواب کواڑ انقلاب کی خواہش سے خالی انقلابیوں کے دل ہو سکتے ہیں جنہیں مقفل کرنا ہی بہتر ہے۔یا یہ وہ دروازے کہ جہاں سے انقلابی داخل ہو سکتے تھے اور انقلاب کی جد و جہد کے لئے کمر بستہ ہوتے۔

مگر چونکہ ان کے آنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی اسلئے ان دروازوں کے کواڑوں کو مقفل کرنا ہی بہتر ہے تا کہ انقلاب کے اس مرکز پر کوئی غیر نہ آئے۔کواڑوں کو بند کیا جا سکتا ہے لیکن انہیں مقفل کرنے میں عافیت اسلئے بھی ہے کہ کہیں دروازوں کے اندر بچے کچھے اسباب پر کوئی لٹیرا ہاتھ صاف نہ کرے۔مذکورہ تو ضیحات سے اس نظم کی معنوی تہہ داری، بلند خیالی اور قوت بیان کا واضح اشارہ ملتا ہے۔استعاراتی انداز بیان اور اس پر ایمائی رنگ فیض کی شاعری کا خاصہ ہے جس سے شعری مضامین کے معنیاتی نظام کا تنوع مشروط ہے۔ڈاکٹر عبد المغنی لکھتے ہیں :

> ''فیض کی شاعری اشارہ و علامت سے مملو ہے۔فنی اعتبار سے یہ ایمائی انداز بڑا کار گر ہے۔تلخ سے تلخ بات کہتے ہوئے بھی ذہن نہیں بگڑتا اور تیر نشانے پر بیٹھ جاتا ہے۔فیض نے سیاسی پہلو سے اصحاب اقتدار پر زبردست طنز کئے ہیں لیکن بات جو تک کبھی نہیں پہنچی۔رمز و کنایہ نے ہمیشہ ایک قسم کی ترقی برقرار رکھی ہے۔اسلئے فیض کا وار بھر پور اور کاری ہے۔حالانکہ انہوں نے ایک لمحے کے لئے بھی شعریت کو ملتوی نہیں کیا۔اسکا آلہ جراحت شمشیر نہیں نشتر ہے۔''(۱۷)

کا فیض کی رومانوی نظم ''حسینہ خیال سے '' کا جائزہ لیتے ہیں

مجھے دے دے

رسیلے ہونٹ، معصومانہ پیشانی حسیں آنکھیں
کہ میں ایک بارپھر رنگینیوں میں غرق ہو جاؤں
مری ہستی کو تیری اک نظر آغوش میں لے لے
ہمیشہ کے لئے اس دام میں محفوظ ہو جاؤں
ضیائے حسن سے ظلماتِ دنیا میں نہ پھر آؤں
گزشتہ حسرتوں کے داغ میرے دل سے دھل جائیں
میں آنے والے غم کی فکر سے آزاد ہو جاؤں
مرے ماض و مستقبل سراسر محو ہو جائیں
مجھے وہ اک نظر، اک جاودانی سی نظر دے دے

(۱۸)

یہ نظم ابتدا سے آخر تک رومانوی لب ولہجہ میں ڈھلی ہوئی ہے۔نظم کے خیالات سے صاف ظاہر ہے کہ متکلم ایک Fantasy World آباد کرنا چاہتا ہے جہاں حسن کے جلوے ہوں اور وہ ان سے محظوظ ہوتا ہو ہر طرح کی فکر سے آزاد ہو۔وارفتگی فکری آوارگی اور منچلا پن اس نظم کی رومانوی کیفیات کے محور ہیں۔یہی وجہ ہے کہ نظم کا کردار تقاضے کرتا ہوا ظاہر ہوتا ہے۔وہ اپنے خیالوں میں بسی حسن کی شہزادی کے تصور میں مست اور مگن ہے۔اسے ظاہری دنیا کی کوئی خبر نہیں۔وہ خوابوں کی حسینہ کے رسیلے ہونٹوں کے گلابی رس، معصوم پیشانی کے کومل لمس اور جادو بھری نگاہوں کی ساحری کے احساسات سے مخمور ہے۔آگے چونکا دینے والا استعاراتی بیان ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com/
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

پہلے حسن کے کچھ انگوں کا انفرادی ذکر اور پھر رنگینیوں میں غرق ہو جانے کی خواہش، جذبات کی بے لگامی کا رندانہ اظہار ہے۔یہ حسن کے تمام تر جلوؤں اور پہلوؤں سے حظ حاصل کرنے کی خواہش کا دبا دبا مگر بے تکلفانہ اظہار ہے۔پہلے مصرعہ میں حسن کی کچھ جزوی چیزیں ہیں مگر دوسرے مصرعہ میں حسن کو کلی طور پر سمیٹا گیا ہے۔متکلم اپنی زندگی کی کامیابی اسی میں مضمر سمجھتا ہے کہ خیالوں کی حسینہ اسے اپنا لے۔ہستی کو اک نظر آغوش میں لینا محبوب سے اس کرم فرمائی کی درخواست ہے کہ وہ عاشق کے وجود کو اپنی آنکھوں میں بسالے تا کہ وہ کبھی خیال کی پری سے دور نہ ہو جائے۔اسے کائنات کی چمک دھمک اسی پری میں نظر آتی ہے۔اسی لئے ''ضیائے حسن'' کہہ کر حسینہ کے وجود کا خیرہ کرنے والا نور ظاہر کیا ہے۔

اس نور کے مقابلے میں حقیقی دنیا کے معاملات کو انہوں نے ظلمات دنیا کہا ہے جو خیالی حسن کے نظاروں سے توجہ ہٹاتے ہیں یا اس حسن کو نگاہوں سے اوجھل کر دیتے ہیں۔گذشتہ حسرتیں دنیا کے مسائل میں الجھتے ہوئے حسن سے دوری کا وہ غبار ہے جس سے متکلم دل کو صاف کرنا چاہتا ہے۔یہ حسرتیں مادی زندگی کے معاملوں میں گنوائی ہوئی گھڑیاں ہیں جن میں الجھ کر اس کا دل حسن کی لذتوں سے نا آشنا رہا۔وہ اپنے ماضی کی طرح اپنا حال اور مستقبل نہیں گنوانا چاہتا۔آنے والے غم کی فکر سے آزادی حقیقی زندگی کے مسائل سے نبرد آزمائی میں راہ فرار ہے۔ماضی و مستقبل کا سراسر جو ہونا، مادی زندگی سے پہلو تہی کی شدید خواہش ہے۔متکلم کسی بھی قیمت پر حسن کا دامن نہیں چھوڑنا چاہتا۔اس کے لئے خیالوں میں بسنے والی حسینہ ہی سب کچھ ہے۔

وہ کسی اور منظر کو نہیں دیکھنا چاہتا اسلئے حسن کی ابدی حلاوتوں میں زیست کا ہرلمحہ گزارنا چاہتا ہے۔''جاودانی سی نظر اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ وہ کسی اور طرح کے تصور، خیال یا فکر کی طرف مرغوب نہیں ہونا چاہتا۔وہ ہر حال میں اسی حسینہ کی زلفوں کی اسیری تسلیم کرنے پر رضامند ہے۔اس نظم میں حسن کے جامد (Concrete) اور تجریدی (Abstract) تصورات کہیں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں تو کہیں مدغم۔لیکن یہ بات طے ہے کہ اس میں حسینہ خیال کے سراپا کی ظاہری رغبت سے زیادہ داخلی عنصر حاوی ہے۔ڈاکٹر معین الدین عقیل اس کی تائید یوں کرتے ہیں :

> '' فیض اپنے کلام میں ایک باذوق جمال پسند ہیں۔نسائی حسن ان کے اعصاب پر طاری ضرور ہے لیکن یہ خارج سے ہوس انگیز ہونے کے بجائے داخلی طور پر اس درجہ جاگزیں ہے کہ تاثیر میں انتشار پیدا نہیں ہوتا، ایک مستقل اور پرسکون کیفیت موجود رہتی ہے۔یہ کیفیت ضبط اور سلیقے سے پیدا ہوتی ہے۔۔۔۔ایک دلکش فضا عموماً استعارات سے تیار کی جاتی ہے۔''

حوالہ جات

۱۔نقش فریادی ، فیض احمد فیض ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ۲۰۱۴، ص:۹

۲۔ایضاً ص: ۴۹

۳۔ایضاً، ص:۵۳

۴۔ایضاً، ص: ۵۴

۵ ایضاً، ص: ۵۵

۶۔ایضاًص: ۴۷

۷۔فیض کی شاعری ، عبد المغنی ، خدا بخش اور مینٹل پبلک لائبریری ، پٹنہ، ۲۰۰۱، ص ۲۲۰

۸۔نقش فریادی، فیض احمد فیض، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ۲۰۱۴،ص:۴۹

Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

۹۔ایضاً،ص: ۴۷

۱۰۔ایضاً،ص: ۴۸۴۷

۱۱۔زندان نامہ، بحوالہ نسخہ ہائے وفا فیض احمد فیض، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ، ۲۰۱۳، ص ۵۹

۱۲ فیض نہیں، ڈاکٹر سید تقی عابدی، دی روکونز پبلی کیشن ، لا ہو،۲۰۱۱ ص ۱۰۱۳

۱۳۔ اردو غزل میں پیکر تراشی ، ڈاکٹر شہپر رسول، فینس آفسیٹ پریس، دہلی ، ۱۹۹۹ ص: ۱۹۱

۱۴۔ہمارا ادب ، فیض احمد فیض ، جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگو یجز ۱۲۔۲۰۱۱ ص : ۴۰

۱۵۔ شبستان، فیض، نمبر، شمارہ ۲۰۶ ۲۰۷ ، اردو ڈائجسٹ، نئی دہلی ، سال اشاعت ندارد ص: ۵۰۔۴۹ ۱۶۔ نقش فریادی ، فیض احمد فیض، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ، ۲۰۱۴،ص:۵۶ 1 فیض احمد فیض کی جمالیات شکیل الرحمن ، عرشیہ پبلی کیشنز ، دہلی ،۲۰۱۱ ،ص:۵۲

۱۷۔فیض احمد فیض تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر طاہر تونسوی، ایم۔ایم۔پبلی کیشنز، دہلی ۱۳۰ ۲۰ ،ص:۹۰

۱۸ نقش فریادی فیض احمد فیض، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ۲۰۱۴، ص:۲۲

۱۹۔فیض احمد فیض تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر طاہر تونسوی ، ایم۔ایم۔پبلی کیشنز، دہلی ۲۰۱۳ ص: ۳۶۳۵

۲۰ ۔دست صبا، فیض احمد فیض، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ص:۷۸

۱۹۔فیض احمد فیض تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر طاہر تونسوی ، ایم۔ایم۔پبلی کیشنز، دہلی ۲۰۱۳ ،ص:۸۳